الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھترپارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

مجموعۂ تعوذات

آفات ومصائب انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان آفات ومصائب سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل ہو جائے وہ ان تمام تکالیف سے مامون ہو جاتا ہے۔

کن الفاظ کے ذریعے پناہ مانگی جائے............؟

کتاب وسنت سے انہی الفاظ کو چن کر یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے اور ایسی دعائیں جمع کی گئی ہیں جنہیں روزانہ صبح وشام یا پھر دن میں ایک مرتبہ یا پھر ہفتے میں میں ایک بار توجہ سے پڑھنا، تعلق مع اللہ کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔

ادارہ المناد، شفیع پلازہ، بینک روڈ صدر، راولپنڈی۔

فون نمبر: 0092-51-5111725

موبائل: 0092-333-5134333

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(پ: ۱۰، س: التوبۃ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

جلد: 1 | اجراء: ربیع الاول 1431ھ/ مارچ 2010ء | شمارہ: 3

مؤسس ومسؤل:

مفتی محمد سعید خان

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

فہرست مضامین

پتہ برائے خط وکتابت:

(1) الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھترپارک،

اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

(2) الندوہ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940

جی۔ پی۔ او۔ اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

ٹیلی فون نمبر: 0092-51-2860164

موبائل: 0300-5321111

www.seerat.net

برائے ترسیل زر:

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاونٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25 روپے

پاکستان سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

⑪ رات کو سونے سے پہلے کی آخری دعا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم جب سونے کا ارادہ کرو تو پہلے ایسے وضو کرو جیسے نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور پھر دائیں کروٹ پر لیٹ کر یوں دعا مانگو:[1]

اَللّٰھُمَّ اَسلَمتُ وَجھِیَ اِلَیکَ، وَفَوَّضتُ اَمرِیَ اِلَیکَ، وَ اَلْجَأتُ ظَھرِیَ اِلَیکَ، رَغبَۃً وَّ رَھبَۃً اِلَیکَ، لَا مَلجَأَ وَلَا مَنجَأَ مِنکَ اِلَّا اِلَیکَ، اللّٰھم اٰمَنتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنزَلتَ، وَ بِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرسَلتَ.

ترجمہ: اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو بالکل تیرے سپرد کر دیا، اور اپنے سب امور تیرے حوالے کر دیے اور تجھی کو اپنا پشت پناہ بنا لیا تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے اور تیرے رحم و کرم کی طلب و امید کرتے ہوئے، میرے مولا! تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں، میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے پاک نبی حضرت رسالت مآب ﷺ پر جن کو آپ نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب فضل من بات علی الوضوء، رقم الحدیث: ۲۴۷.

حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا اور یہ تمہاری آخری بات ہونی چاہیے.(اس کے بعد مت بولو اور سو جاؤ) اگر اس رات تمہیں موت آ گئی تو تمہیں فطرت (یعنی ایمان) کی موت آئے گی.

(12) نیند میں ڈر جانے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی نیند میں ڈر جاتا ہو تو اُسے چاہیے کہ اس دعا کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے:[1]

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَ أَنْ يَّحْضُرُونَ.

ترجمہ: اے اللہ! آپ کا جتنا بھی پاک کلام ہے، اس کے ذریعے میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں آپ کے غصے اور پکڑ سے اور آپ کی مخلوق کے شر سے اور شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے اور اس بات سے بھی کہ وہ شیاطین میرے پاس آئیں.

تو اِس طرح اِسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے بچوں کو، جب وہ بڑے ہو جاتے تھے، یہ دعا یاد کرا دیتے تھے اور جو بچے بڑے نہیں تھے ایک کاغذ (تعویذ) پر یہ دعا لکھ کر اُن کے گلے میں ڈال دیتے تھے.

(13) رات کو نیند نہ آنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ میں رات کو ذہنی پریشانی کی وجہ سے سو نہیں پاتا تو آپ نے فرمایا جب تم بستر پر لیٹو تو یوں دعا مانگا کرو:[2]

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب [دعاء الفزع من النوم]، رقم الحدیث: ۳۵۲۸.

[2] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب [دعاء دفع الأرق]، رقم الحدیث: ۳۵۲۳.

الْأَرْضِيْنَ وَمَا أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا أَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يَّبْغِيَ عَلَيَّ، عَزَّ جَارُكَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

ترجمہ: اے اللہ! ساتوں آسمان کے اوران سب چیزوں کے مالک، جوان کے نیچے واقع ہیں، اور اے تمام زمینوں اور جو چیزیں ان کے اوپر واقع ہیں کے پروردگار، اور اے شیاطین اور اُن کی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک، اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کرپائے. باعزت اور محفوظ ہے وہ، جس کو آپ کی پناہ حاصل ہے. آپ کی حمد وثنا کا مقام بہت بلند ہے، اور آپ کے علاوہ کوئی پرستش کے قابل نہیں، بس آپ ہی معبود برحق ہیں.

(14) ہر قسم کی خیر کی طلب اور ہر طرح کے شر سے

پناہ کی ایک جامع دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ ہمیں یہ دعا سکھاتے تھے:[1]

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَأَعُوْذُبِكَ

[1] سنن ابن ماجة، أبواب الدعأ، باب الجوامع من الدعاء، ج: ٤، ص: ٣١٠، رقم الحديث: ٣٨٤٦.

مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ بِهٖ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ، وَاَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهٗ لِیْ خَيْراً.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے ہر قسم کی خیر مانگتا ہوں خواہ وہ خیر مجھے جلد ملے یا پھر اس کا انجام اچھا ہو، خواہ میں اُسے جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں. اور ایسے ہی اے اللہ! میں ہر قسم کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں خواہ وہ شر مجھے فوراً ملنے والا ہو یا انجام میں شر ہو اور خواہ میں اسے جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں.

اے اللہ! میں آپ سے ہر وہ خیر مانگتا ہوں جو آپ کے بندے اور آپ کے نبی حضرت رسالت مآب ﷺ نے آپ سے مانگی تھی اور ہر اُس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس سے آپ کے بندے اور آپ کے نبی حضرت رسالت مآب ﷺ نے پناہ مانگی تھی.

اے اللہ! میں آپ سے جنت کا بھی سوال کرتا ہوں اور ہر اُس اچھی بات اور اچھے عمل کا، جس کا انجام جنت ہو اور میری درخواست ہے کہ مجھے جہنم سے بچا لیں اور ہر اس بُری بات اور ہر اس بُرے عمل سے بھی جو مجھے جہنم سے قریب کر دے. بس میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ میرے بارے میں جو بھی فیصلہ فرما دیں وہ فیصلہ خیر ہی پر مشتمل ہو.

(15) سب سے زیادہ اہم پناہ

یوں تو جتنی برائیوں سے بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے لیے مختلف دعائیں حضرت رسالت مآب ﷺ نے مانگیں ہیں، اپنے مقام پر ہر ایک اہم سے اہم تر ہے مگر اہم ترین مسئلہ اِس پوری دنیا میں ہر

شخص کے لیے یہ ہے کہ اُس کا خاتمہ کس دین پر ہوتا ہے؟ جس فرد کا قیامت پر ایمان ہے اُس کی زندگی کیسی ہی گنہگارانہ گزرے مگر یہ تمنا اُس کی بھی ہوتی ہے کہ اُس دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو جو دین اُس کے مالک کو پسند ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسلام ہی پسند ہے اور ہر مسلمان کی یہ آرزو ہے کہ اُس کا انجام بخیر ہو۔

پھر دوسری طرف بے دھیانی میں کبھی کفر کے جملے اور شرکیہ اعمال انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں، اس لیے چاہیے کہ کفر و شرک سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہے، کیا معلوم موت کب اپنا لقمہ بنا لے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے اُمتیوں کے لیے اِس مسئلے کا حل بھی تجویز فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان جان بوجھ کر شرکیہ اعمال کرے یا اُس سے بھولے سے بھی کوئی ایسی قبیح حرکت سرزد ہو جائے تو وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کر سکتا ہے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:[1]

> کہ لوگو! شرک سے بچو، یہ تو سیاہ چیونٹی سے بھی زیادہ باریک ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جب یہ اتنا باریک مسئلہ ہے تو ہم اس میں احتیاط کیسے کریں؟ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ اِن الفاظ میں مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَانَعْلَمُ.

---

[1] المسند للامام أحمد، مسند الكوفيين، حديث أبي موسى الأشعري، ج:٧، ص:١٤٦، رقم الحديث: ١٩٦٢٥.

ترجمہ: اے اللہ! ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم جان بوجھ کر، آپ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور معافی مانگتے ہیں کسی بھی ایسی شرک کی حرکت سے جو ہم سے بھولے میں سرزد ہوجائے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اسی حدیث شریف کے پیش نظر لکھا ہے کہ:[1]

وينبغي التعوذ بهذا الدعاء صباحا و مساء فانه سبب العصمة من الكفر بو عد الصادق الامين.	اور مناسب یہ ہے کہ ہر انسان یہ دعا صبح اور شام کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس دعا کو کفر سے بچنے کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔

اس دعا کو ایسے بھی پڑھا جاسکتا ہے؛

اَللّٰهُمَّ إِنِّىٓ اَعُوذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًاوَّاَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ.

ترجمہ: اے اللہ میں اِس عمل سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ، جان بوجھ کر، کسی بھی چیز کو شریک ٹھہراؤں اور اگر بھولے سے یہ عمل ہوگیا ہوتو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:[2]

ولم أرفي الحديث ذكر صباحاو مساء بل فيه ذكر ثلاثا كما في الزواجرعن الحكيم الترمذي: افلا أدلك على	حدیث میں اس دعا کے صبح شام پڑھنے کا حکم تو میری نظر سے نہیں گذرا البتہ "الزواجر" میں حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تین مرتبہ پڑھنے کی

---

[1] الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج: ١٣، ص: ٣١.

[2] ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في حكم من شتم دين مسلم، ج: ١٣، ص: ٣١.

مـا يـذهـب الـلّٰه به عنك صغار الشرك و كباره تقول كل يوم ثلاث مرات.

روایت منقول ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں وہ دعا بتاؤں جو تم سے چھوٹی اور بڑی شرک کی تمام باتوں کو دور کردے، روزانہ تین مرتبہ یوں دعا مانگا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَیْئًاوَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ.

ترجمہ: اے اللہ میں اس عمل سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ، جان بوجھ کر، کسی بھی چیز کو شریک ٹھہراؤں اور اگر بھولے سے یہ عمل ہو گیا ہو تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ دعا روزانہ تین مرتبہ صبح، دوپہر، شام یا کسی ایک وقت میں تین مرتبہ مانگنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے اپنی پناہ میں رکھیں.

فتاویٰ عالمگیری میں بھی اس مسئلے کو نقل کیا گیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:[1]

و ينبغي للمسلم أن يتعوذ ذكر هذا الدعا صباحاً أو مساءً فانه سبب العصمة عن هذه الورطة بوعد النبي صلى الله عليه وسلم والدعا هذا:

اور ہر مسلمان کے لیے یہ مناسب ہے کہ اس دعا کو صبح وشام پڑھنا اپنا معمول بنالے کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا یہ وعدہ ہے کہ یہ دعا شرک کے بھنور میں غرق ہونے سے بچاؤ کا سبب بنے گی اور وہ دعا یہ ہے؛

---

[1] الباب التاسع فى احكام المرتدين. ومنها ما يتعلق بالحلال والحرام و كلام الفسقة والفجار وغير ذلك، ج:٢، ص:٢٨٣.

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّأَنَا أَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ.

ترجمہ: اے اللہ میں اِس عمل سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ، جان بوجھ کر، کسی بھی چیز کو شریک ٹھہراؤں اور اگر بھولے سے یہ عمل ہوگیا ہوتو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں.

یہ دعا تین مرتبہ لکھی جارہی ہے اور تینوں جگہ الفاظ کا معمولی فرق ہے مگر سب کے معنی ایک ہیں، کوئی ایک دعا یاد کرلی جائے اور پھر اسے تین مرتبہ روزانہ یا ایک ایک بار صبح، دوپہر، شام پڑھنے کا معمول بنالینا مناسب ہوگا.

''تعوذ'' کی مناسب تشریح اور اس سے متعلقہ چند دعاؤں کے بعد اب اس سے متعلق مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے.

احکام

(1) پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ''تعوذ'' قرآن پاک کا حصہ نہیں ہے.

(2) تعوذ کن الفاظ میں ہونا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو.

(پ:۱٤، س:النحل، آیت:۹۸)

اس آیتِ کریمہ کی وجہ سے علماء امت رحمہم اللہ کی اکثریت نے تعوذ کے لیے وہی الفاظ راجح قرار دیئے ہیں جو یہاں مذکور ہیں یعنی:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم.

(3) قرآن کریم کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم" پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

(4) اگر کسی شخص نے سورۂ توبہ سے پہلے کہیں سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی مثلاً سورۂ انفال سے شروع کی اور تعوذ اور تسمیہ دونوں کو پڑھا اور پھر تلاوت کو شروع کیا اب پڑھتے ہوئے درمیان میں سورۂ توبہ آ گئی تو اب تعوذ وتسمیہ کے لیے نہ رکے بلکہ مزید پڑھنے کا ارادہ ہو تو پڑھتا چلا جائے۔ وہ جو ابتداءِ تلاوت میں تعوذ وتسمیہ پڑھ لیا تھا وہی سورۂ توبہ کے لیے بھی کافی ہے۔

(5) اگر کوئی شخص سورۂ توبہ ہی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر رہا ہو تو اس کے لیے بھی سنت یہی ہے کہ پہلے تعوذ اور پھر تسمیہ پڑھ کر تلاوت کا آغاز کرے جیسے کہ قرآن کریم کی باقی سورتوں کو شروع کیا جاتا ہے۔

عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ سورۂ توبہ شروع کرتے ہوئے تعوذ وتسمیہ نہ پڑھی جائے یہ بات غلط ہے، اس نہ پڑھنے کی صورت وہی ہے جو کہ مسئلہ نمبر (4) میں بیان ہوئی ہے۔

(6) ہر نماز کی پہلی رکعت میں ثنا کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے والے کے لیے تسمیہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ یہ حکم امام، اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے اور مسبوق کے لیے ہے کہ جب وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ نماز مکمل کرنے کے لیے کھڑا ہو گا تو سورہ فاتحہ کے آغاز میں تسمیہ سے پہلے تعوذ پڑھے گا۔

(7) نماز کے آغاز میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور ثناء سے پہلے تعوذ پڑھنا درست نہیں اور

(8) اگر کوئی شخص پڑھ لے تو اُس کو ثنا پڑھنے کے بعد اور تسمیہ سے پہلے دوبارہ تعوذ پڑھنا چاہیے۔

(9) اگر کسی شخص نے ثنا، تعوذ اور تسمیہ جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دیا اور سورۂ فاتحہ کی قرأت

شروع کردی تو اب ثنا، تسمیہ یا تعوذ پڑھنے کے لیے سورۂ فاتحہ کو نہ چھوڑے بلکہ پڑھتا رہے اور

(10) اگر وہ سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ چکا ہے تو اب اسے چھوڑ کر ثنا یا تعوذ یا تسمیہ کے لیے واپس لوٹے گا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(11) نماز کی صرف پہلی رکعت میں امام، منفرد اور مسبوق کے لیے تعوذ کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے باقی تمام رکعتوں میں قرأت میں تسمیہ سے پہلے تعوذ پڑھنا درست نہیں ہے۔

(12) نماز میں تعوذ قرأت کے لیے ہے ثنا کے تابع نہیں ہے کہ جو ثنا پڑھے وہ تعوذ بھی پڑھے بلکہ جو تلاوت کرے صرف وہ تسمیہ سے پہلے تعوذ پڑھے۔

(13) تعوذ چونکہ قرأت کے لیے ہے اس لیے نماز میں امام پہلی رکعت میں ثنا کے بعد اس کو پڑھے گا مگر مقتدی ثنا پڑھ کر خاموش ہو جائے گا کیونکہ اُس نے قرأت نہیں کرنی ہے۔

(14) مسبوق اپنے امام کے پیچھے جب ثنا پڑھ لے گا تو خاموش ہو جائے گا کیونکہ اُس نے قرأت نہیں کرنی ہے البتہ جب وہ اپنی فوت شدہ رکعات کو ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوگا اور قرأت کرے گا تو قرأت سے پہلے اصول کے مطابق وہ تعوذ پڑھے گا۔

(15) عید کی نماز میں امام ثنا کے بعد زائد تکبیرات کہہ کے پھر تعوذ پڑھے گا۔

(16) نماز میں امام، مسبوق اور منفرد نے جب قرأت کرنی ہو تو ثنا کے بعد اور تسمیہ سے پہلے تعوذ آہستہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

(17) تلاوت کے دوران ہر سورت پر تعوذ کا پڑھنا ضروری نہیں۔

(18) جب کوئی شخص کسی کام کا آغاز کرنے کی نیت سے تسمیہ پڑھے تو اس تسمیہ سے پہلے تعوذ نہ پڑھے اور اگر تسمیہ کے بعد تلاوت کرنا مقصود ہو تو پھر تسمیہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

(19) نماز سے باہر تلاوت کرنے والا تلاوت سے پہلے تعوذ آہستہ یا اونچی آواز سے پڑھنا چاہے تو دونوں طرح درست ہے۔

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

①

سارے جہاں کا درد

ایک شخص کو شوق ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور وہ اس راہ کا سفر شروع کرتا ہے. کلمہ طیبہ کے اقرار سے اس سفر معرفت کا آغاز ہوتا ہے. اتباع سنت اس کی راہ ہے، صحیح عقیدے اور صحیح علم کے بعد عمل کے میدان میں اترتا ہے اور حصولِ اخلاص کے لیے ذکر الٰہی کی کثرت میں کھو جاتا ہے حکم ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُو اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا. — اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور کثرت سے یاد کرو.

(پ:۲۲، س: الاحزاب، آیت:۴۱)

صرف یاد (ذکر) مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بہت زیادہ یاد (ذکر کثیر) ہے، کسی کی رہنمائی میں ان مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ زندان نفس کے روزن سے اخلاص کی کرن نمودار ہوتی ہے. سویرا ہوتا ہے اور اس سفر معرفت واخلاص کے آغاز میں ہر وہ چیز جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو رہی ہو، اس کی نفی کرتا ہے. مال وزر، عزت وجاہ اور مخلوق کا وجود، ان تمام کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات تصور کرتا ہے اور پوری شدت سے ان کی نفی کرتا ہے. لا الٰہ کی تیغ ان تمام حجابات پر چلا کر الّا اللّٰہ

کے اثبات سے واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اور یہ ابتداء کا وہ مقام ہے جہاں بسا اوقات دونوں جہان سے بے زار ہو جاتا ہے۔

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ہر آن، ہر لمحہ، مخلوق سے قطع تعلق اور عزلت و تنہائی کی تلاش۔

پھر کوئی خضرِ راہ اسے اس ادنیٰ مقام سے نکالتا ہے اور یہ سبق دیتا ہے کہ مخلوق کی نفی نہیں بلکہ مخلوق سے محبت کی نفی مطلوب ہے۔ لوگوں سے تنہائی اور بے زاری مناسب نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا یہ مردانگی ہے۔ کسی بھی چیز یا شخص سے ایسی محبت نہ ہو جائے کہ جب اس شخص یا چیز کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرانے لگے تو پھر وہ محبت غالب آ جائے بلکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔ کسی بھی حال اور کسی بھی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع پر مخلوق کی محبت غالب نہیں آنی چاہیے۔ اور جب نفس اس اتباع کا اتنا عادی ہو جائے کہ بلا مزاحمت یہ دولتِ اتباع میسر ہونے لگے تو پھر یہ شخص حقیقی مومن بھی ہے اور صوفی بھی، موحد بھی ہے اور مخلص بھی۔ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے آباء اور اولاد سے محبت بھی تھی اور اپنے دیار کی الفت بھی، مگر جب یہ رشتے اور محبتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرانے لگیں تو پھر وہ ان رشتوں اور محبتوں سے بیزار ہو گئے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔	تم لوگوں کے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، (ان کی روش) ایک بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "ہمارا تم سے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن (بتوں) کی تم عبادت کرتے ہو، ان سے (محبت کا) کوئی تعلق

نہیں ہے" ہم تمہارے (کفریہ عقائد) سے انکار کرتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی اور نفرت شروع ہوگئی ہے جب تک کہ تم صرف اور صرف ایک اللہ
پر ایمان نہ لاؤ. (پ: ۲۸، س: الممتحنہ،آیت: ٤)

تو اصل حکم یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان رہے لیکن مخلوق کی محبت اور اپنے مفادات کو ہمیشہ شریعت کے تابع رکھے. معرفتِ الہیہ کے اس سفر میں جو پہلا مرحلہ خلوت پسندی اور مخلوق سے انقطاع کا پیش آیا تھا آہستہ آہستہ اس سے چھٹکارا ملتا ہے اور پھر دوسرا اور آخری مرحلہ آتا ہے اور وہ ہے "خلوت در انجمن"، علامہ اقبال نے اس مقام کی ترجمانی کی:

ے شمع محفل کی طرح ، سب سے جدا ، سب کا رفیق

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ کار یہی ہے کہ مخلوق کی ایذاء پر صبر کرے. لوگوں کے درمیان رہ کر بھی حق تعالیٰ شانہ سے رابطہ نہ ٹوٹے. ہر پریشانی کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر سر تسلیم خم کردے اور بغیر کسی ادنی اظہار کے، تصورات کو اپنی زبان بنا کر ہر ہر لمحہ مالک حقیقی کی بارگاہ میں یہ عرض کرتا رہے کہ:

آدمی میں کچھ نہیں ، آپ نے سمو دیا عالم خیال کو ، عالم غبار میں
ابتدائے زندگی ، انتہائے زندگی آپ کے خیال سے ، آپ کے خیال میں [1]

یہ زندگی کی حقیقی مسرت ہے کہ مخلوق میں رہ کر ان کے حقوق کی ادائیگی کے باوجود، ذکر و مراقبات میں کوئی فرق نہ آئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] فانی نے اصل میں اس مصرع کو یوں کہا ہے؛

ے عالم غبار کو، عالم خیال میں.

اس میں یہ معمولی سا تغیر عرض مدعا کے لیے کیا گیا ہے کائنات کی اصل صرف ارادہ خداوندی ہے. کل عالم مرکبات سے بنا ہے پھر مرکبات کا تجزیہ کیجیے تو مفردات ہیں پھر مفرادت کی بھی اصل مادہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ مادے کی تخلیق از خود نہیں ہوگئی اور نہ ہی وہ قدیم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے پیدا کیا ہے. مادے کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و تخلیق کی مرہون منت ہے اور صفتِ قدرت کا گہرا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت مشیت یعنی اللہ تعالیٰ کے چاہنے......

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ.

(پ:١٨، س: النور، آیت :٣٧)

وہ "مرد" ہیں جنہیں کوئی بھی تجارت یا خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے ، سے غافل نہیں کرتی. وہ اس دن (کی پیشی) سے ڈرتے رہتے ہیں. جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گی.

معرفتِ الٰہیہ میں جب یہ مقام آتا ہے تو پھر صوفی مخلوق خدا سے نہیں گھبراتا. پھر وہ ویرانوں کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہوتا، خلوت وجلوت سب یکساں، ذاتِ باری تعالیٰ براہ راست مطلوب اور اس کا، کل جہاں بالواسطہ مقصود ہوتا ہے. حافظ شمس الدین شیرازی (جو حافظ شیرازی کے نام سے مشہور ہیں) اسی مقام کے متعلق فرماتے ہیں؛

؎ مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود   رخ تو در نظر من چنیں خوش آراست

میری توجہ دنیا کے کاموں کی طرف ہرگز نہیں ہے میں تو ہر کام میں تیری ذات کی قدرت کو دیکھتا ہوں کہ کس حسین انداز سے جلوہ گر ہے.

فردِ کامل کے لیے ہر چیز آئینہ بن جاتی ہے. جنت اس کے لیے جمال الٰہی کا مظہر ہے تو جہنم جلال کا. پھول اس کے لیے جمال یار کا پیغام لاتا ہے تو کانٹا قہر بجن کا. یہ فرد اتنا فنا ہو جاتا ہے کہ کل جہان کا دکھ اپنے سینے میں محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کے لیے کل مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کا کنبہ ہوتی ہے اور جہاں مالک

...... سے ہے. تو کل کائنات کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے چاہنے (مشیت) کی وجہ سے ہے. اور یہ "چاہنا" اس کا کوئی حسّی وجود نہیں ہے کیونکہ یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے اور مٹی کا جو غبار اٹھتا ہے اس کا اپنا ظاہری اور حسّی وجود تو ہوتا ہے اس لیے فانی نے اپنے مصرع میں یہ فرمایا کہ یہ "عالم غبار" کبھی فنا ہو کر عالم خیال میں منتقل ہو جائے گا اور اس میں معمولی سے تصرف سے یہ بات بجائے مستقبل کے ماضی سے متعلق کر دی گئی کہ یہ کل کائنات محض ارادے اور خیال میں تھی ، پھر آپ (اللہ) نے اسے عالم وجود یعنی عالم غبار کی صورت میں جلوہ گر کر دیا.

سے محبت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے اس کے کنبے سے بھی ہمدردی ہوتی ہے اور اس ہمدردی میں کہیں کسی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی جان پر بن جاتی ہے کہ یہ مصیبت زدہ، ہے تو اپنے محبوب و مالک ہی کے کنبے کا فرد.

؎ خنجر کہیں چلے ، تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس لیے ایسے فرد کامل، ایسے صوفی کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی، دھوپ پر کوئی اور کھڑا ہو تو تپش اسے محسوس ہوتی ہے. پتھر کسی اور کو پڑے، چوٹ یہ محسوس کرتا ہے، بیمار کوئی ہو تو درد اس کے جسم میں ہوتا ہے. جنازہ کسی اور کا اور آنسو اس کے، گناہ غیر کا اور معافی یہ مانگتا ہے.

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ. إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ .

(پ:۱۲، س:ھود ،آیت:۷۴،۷۵)

پھر وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ہم سے لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگے (کہ اللہ انہیں معاف فرمادیں اور انہیں عذاب نہ دیں) بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام بہت متحمل مزاج، (ایسا نرم دل کہ ہماری یاد میں) بہت آہیں بھرنے والا، اور ہر وقت ہم سے لو لگائے ہوئے تھا.

انہی میں سے ایک فرد کامل، وہ جاں سوختہ اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھا. ان کا اصل نام اُویس بن عامر تھا. یمن کے قبیلے ''قرن'' کی ایک شاخ ''مراد'' میں پیدا ہوئے اس لیے ان کا نام اُویس قرنی یا اُویس مرادی لکھا جاتا ہے. یمن ہی کے رہنے والے تھے اس لیے یمنی بھی کہلائے. امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ''یمانی مرادی'' لکھا ہے. بعد ازاں کوفہ تشریف لے آئے اور پھر وہیں کی سکونت اختیار کر لی.

حضرت رسالت مآب ﷺ نہ تو کبھی یمن تشریف لے گئے اور نہ ہی آپ کی حیات طیبہ میں حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے لیکن منجانب اللہ آپ کو ان کے بارے میں معلوم تھا اور

آپ نے ان کی تعریف میں بہت بلند کلمات بھی ارشاد فرمائے تھے. ایک مرتبہ فرمایا:[1]

خیر التابعین أویس القرنی — اُویس قرنی بہت اچھے تابعی ہیں.

پھر ایک مرتبہ ارشاد ہوا:

إن خیر التابعین رحل یقال له: أویس بن عامر، کان به بیاض، فدعا اللّٰه فأذهبه عنه إلا موضع الدرهم في سرته.[2]

سب سے اچھے تابعی اُویس بن عامر ہیں انہیں برص (پھلبہری) ہو گیا تھا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس مرض کے خاتمے کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم سے تمام داغ ختم کر دیے. صرف ایک نشان، ناف پر باقی ہے اور اتنا سا ہے جیسے کسی انسان کی ہتھیلی کی گہرائی ہوتی ہے.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کرامت اولیاء اللہ میں سے تھے اور ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ بغیر کسی علاج کے، محض دعا سے ان کا مرض جاتا رہا. مرض دوا سے جائے یا دعا سے؛ دونوں میں حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے. وہ چاہے تو دوا سے شفاء دے اور نام طبیب، حکیم اور ڈاکٹر کا مشہور ہو جائے اور چاہے تو دعا سے شفاء دے اور لوگ اسے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا معجزہ یا ولی کی کرامت جانیں، مریض، دوا میں اثر اور دعا کا قبول کرنا، سبھی میں اس کا حکم چلتا ہے. کل رعایا بھی اس کی اور فقط اکیلا وہی شہنشاہ. له الملك وله الحمد

حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جب کوفہ میں تھے تو ایک شخص — جو کہ خود بھی قرنی تھا — ہمیشہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور انہیں حقیر سمجھ کر درپے آزاد ہوتا تھا. ہر شخص کے اخلاق کا معیار یکساں نہیں ہوتا. اخلاقیات کے اعلیٰ مقام پر فائز، ہمیشہ نظریات پر بحث کرتے ہیں. تنقید و تعریف کی کسوٹی پر، پرکھتے ہیں اور کم مایہ لوگ ذاتیات میں الجھے رہتے ہیں. دماغ کے اعتبار سے بونے لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں

---

[1] لسان المیزان، من اسمه اوس و اویس، ج:۲، ص:۲۳۱.

[2] لسان المیزان، من اسمه اوس و اویس، ج:۲، ص:۲۲۸.

سوچ سکتے کہ ہم اپنے سے زیادہ بڑے آدمی پر کیسے کیچڑ اچھالیں. ہم خود تو اس قد آور شخصیت کی بلندی تک پہنچ نہیں سکتے کیوں نہ اس کے پاؤں کاٹ دیں تا کہ یہ ہم سے چھوٹا ہو جائے لیکن وقت اور صبر، دونوں مل کر ان بونوں کو مزید بونا کر دیتے ہیں اور بلند کردار، بلند تر ہو جاتا ہے. کوفہ کا یہ شخص حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اس لیے بھی اڑاتا تھا کہ اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے درمیان ہی رہتے تھے اور بصیرت کے نابینا لوگ کسی ہمعصر کی عظمت کا مشاہدہ اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ شخصیت یا تو ہجرت نہ کر جائے اور یا یہ کہ اس پر صدیاں نہ گزر جائیں. فاصلے کی دوری اور زمانے کا بُعد اندھوں کو یہ بتاتا ہے کہ جو شخص تمہارے درمیان رہ رہا تھا وہ اپنے کردار کی عظمت اور فکر کی بلندی کی وجہ سے تم سے کوسوں بلند تھا.

پھر مذاق اڑانے والا وہ قرنی شخص ایک وفد میں شامل ہو کر دارالخلافہ مدینہ طیبہ میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا. آپ نے اس وفد سے دریافت فرمایا کہ آپ میں سے کوئی قبیلہ قرن سے تعلق رکھتا ہے؟ اس شخص نے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا.[1]

> آپ لوگوں کے پاس یمن سے ایک صاحب آئیں گے. ان کا نام اُویس ہوگا. وہ اب (میری زندگی میں) یمن کو اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت اور بڑھاپے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے. انہیں برص ہو گیا تھا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض ان کی دعا کی وجہ سے انہیں ٹھیک کر دیا اور ان کے جسم پر ہتھیلی کی گہرائی کے برابر سفید نشان باقی رہ گیا ہے. آپ میں سے جس شخص کی بھی ان سے ملاقات ہو تو وہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان سے دعا کی درخواست کرے.

---

[1] عن أسير بن جابر، أن أهل الكوفة وفدوا على عمر، فيهم رجل ممن كان يسخر بأويس، فقال عمر: ها هنا أحد من القرنيين؟ فجاء ذلك رجل فقال عمر: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن رجلا يأتيكم من اليمن يقال له: أُويس، لا يدع باليمن غير أمّ له، وقد كان به بياض، فدعاالله فأذهبه ....

اب اس شخص کو سبق ملا کہ جس کا وہ مذاق اڑاتا تھا، وہ بارگاہ الٰہی میں اتنا مقرب تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی زبان سے ممدوح ٹھہرا۔

اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کیوں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر نہ ہو سکے؟ یہی نا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف تھے، یہ بجا سہی لیکن اُویس رحمۃ اللہ علیہ گر اس شرف کو جانتے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت کتنی مبارک اور صحابیت، کتنا بلند مقام ہے تو ہزار ماؤں کو قربان کر کے حاضر ہوتے، جہنم کی آگ اس شخص پر حرام اور جنت میں جانا اس شخص کے لیے ضروری ہے، جس نے بھی صحابیت کا رتبہ پایا۔ کائنات میں کسی نیکی کرنے والے شخص سے ایسی کوئی نیکی نہیں ہو سکتی جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی صحبت اور ان کی ایک نگاہ کے ہموزن ہو۔

؎ قربان یک نگاہے تو عمر دراز ما

اس لیے حضرت خواجہ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:[1]

ولو علم أویس فضیلة الصحبة بهذه الخاصیة لم یمنعه مانع من الصحبة وما اثر شیاء من الاشیاء علی هذه الفضیلة.	اگر اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رسالت مآب ﷺ کی صحبت کی فضیلت جان لیتے کہ اُس میں کیا خاص بات (کہ ایمان بجائے دلائل سے ثابت ہونے کے، وحی کی کیفیت، فرشتوں کی آمد اور معجزات

دیکھنے کی وجہ سے مشاہدے سے ثابت ہو جاتا) ہے، تو پھر کوئی کام ایسا نہ ہوتا، جو انہیں صحبت نبوی علیہ السلام سے روک دیتا اور وہ کسی چیز کو بھی اس حاضری سے زیادہ ضروری تصور نہ فرماتے۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چونکہ ان کے متعلق ارشادات نبوی سن رکھے تھے اس لیے

...... عنه إلاموضع الدرهم، فمن لقيه منكم فمروه فليستغفر لكم. (لسان الميزان، من اسمه اوس واويس، ج:٢، ص:٢٢٨).

[1] مکتوبات امام ربانی رحمة الله علیه ، در المعرفت، مکتوب نمبر، ١٢٠، ج:١، ص:١٢٣.

ان سے ملنے کا شوق اوران کی دعائیں حاصل کرنے کی طلب تھی. اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ حج کے موقع پر منیٰ میں منبر پرتشریف فرما ہوئے اور اہل قرن کا دریافت فرمایا قرن قبیلے کے کچھ حضرات کھڑے ہوگئے تو پھر دریافت فرمایا آپ میں سے کسی کا نام اُویس ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس نام کا تو ایک دیوانہ ہے، بیابان وصحرا میں رہتا ہے. فرمایا جی ہاں، جی ہاں وہی تو مطلوب ہے. جب آپ واپس جا کر ان سے ملیں تو انہیں بلا کر میرا سلام کہیے.[1]

جب یہ واپس آئے تو اُویس رحمۃ اللہ علیہ آبادی سے دور، صحرا میں تھے. انہوں نے دو سلاموں سے انہیں عزت بخشی، ایک سلام تو وہ جو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھجوایا تھا اور دوسرا سلام وہ جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف سے تھا غالباً یہ دوسرا سلام ان حضرات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے بتایا ہوگا اور اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہو گا کہ بارگاہِ رسالت کا سلام اُویس کو بھجوایا جائے.

یہ دونوں سلام پہنچنے پر اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے افسوس کا اظہار فرمایا، افسوس اس لیے کہ شہرت ہوگئی. پہلے لوگ اُویس کو دیوانہ جانتے تھے اور پوچھتے نہیں تھے اب بزرگ جانیں گے اور اظہار عقیدت کریں گے. دانا آدمی شہرت کو بہت بڑی آزمائش اور امتحان جانتا ہے اور عوام کے اظہار عقیدت کے متعلق اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت کارتن[2] سے زیادہ کچھ نہیں جن کے ہونٹ آج ان ہاتھوں کو مقدس جان کر

---

[1] عن سعيد بن المسيب قال: نادى عمر بمنى على المنبر: يا أهل قرن، فقام مشايخ، فقال: أفيكم من اسمه أويس؟ فقال شيخ: يا أمير المومنين ذاك مجنون، يسكن القفار والرمال، قال: ذاك الذى أعنيه، إذا عدتم فاطلبوه وبلغوه سلامي، فعادوا إلى قرن، فوجدوه في الرمال، فأبلغوه سلام عمر، و سلام رسول الله ﷺ، فقال: عرفني أمير المومنين، وشهر اسمي. (لسان الميزان، من اسمه ، ج:٢، ص: ٢٣٠).

[2] انسان کے گھر کو مکان، شیر کے گھر کو کچھار، چوہے کے گھر کو بل، سانپ کے گھر کو بمبی اور مکڑی کے گھر کو کارتن یا مکڑی خانہ کہتے ہیں یہاں پر مراد عوام کی بہت کمزور عقیدت ہے.

چوم رہے ہیں، کل کو انہی ہونٹوں والوں کے ہاتھ جوتا اٹھالیں گے اور ہاتھوں کو چومنے کی بجائے اس ہستی کے سر کو زیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا افسوس ہے کہ میرے نام کی ایسی شہرت ہوئی اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ہاں میں پہچانا گیا۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری ہوئی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی عزت افزائی فرمائی بلکہ انہیں یہ خوشخبری بھی دی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے آپ کے متعلق ہمیں یہ بتایا تھا کہ آپ کو برص کی بیماری تھی، پھر آپ نے تندرستی پائی اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بے حد فرمانبردار ہیں۔ آپ اگر کسی کام پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کی عزت رکھ لیتا ہے، اور مجھ سے فرمایا تھا کہ عمر اگر ہو سکے تو اپنی خطاؤں کی بخشش کے لیے ان سے دعا کروا لینا تو آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عمر کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ چنانچہ حضرت اُویس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی:[1]

لوگوں کی ایذاء پر صبر، شہرت سے گریز، اپنی فنائیت اور تواضع ایسے اوصاف تھے جن پر ہزار بزرگیاں قربان کی جاسکتی تھیں۔ یہ صفات اُویس قرنی کی فطرت ثانیہ بن گئی تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں کیسے اس مقام سے نہ نوازتا کہ وہ جس کی خطاؤں سے درگزر کی درخواست کریں، ان کی اس درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا جائے! حضرت رسالت مآب ﷺ نے خبر دی تھی کہ قیامت میں اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا اور ان کی وجہ سے جو لوگ جہنم سے آزاد کر دیے جائیں گے اور جن کو جنت میں داخلے کا پروانہ ملے گا ان کی تعداد، عربوں کے دو بڑے قبائل ربیعہ اور مضر کے افراد

---

[1] عن أسير بن جابر، فذكر اجتماع عمر بأويس وفيه قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: يأتي عليكم أويس القرني مع اليمن، كان به برص، فبرأ منه إلا موضع درهم، له والدة هو بها بار، لو أقسم على لأ بره، فإن استطعت أن يستغفر لك فافعل، فاستغفر لي فاستغفر له. (لسان الميزان، من اسمه اوس واويس، ج:٢، ص:٢٢٩).

کی تعداد سے زیادہ ہوگی.

اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ شہرت کے مواقع سے اتنا دور رہتے تھے اور اتنے مٹے ہوئے تھے کہ اگر یہ حدیث کی چند ایک روایات نہ ہوتیں تو دنیا جانتی بھی نہ کہ اس نام کا کوئی شخص ''قرن'' میں آیا بھی تھا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہوتا اور یا پھر قیامت میں گنہگاروں کو علم ہوتا کہ ان کا محسن اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہے. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:[1]

ولولا الحديث الذي رواه مسلم ونحوه في فضل أويس لما عرف، لأنه عبدالله تقي خفي،	اگر وہ حدیث جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی یا ان جیسی دیگر روایات نہ ہوتیں تو حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت کا بالکل پتہ نہ چلتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے تھے جو بہت متقی اور اپنے کو بہت پوشیدہ رکھے ہوئے تھے.

اتنی بڑی ہستی اور اس کے غیر معروف ہونے کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سرے سے ان کے ہونے کا ہی انکار فرماتے ہیں کہ اس نام کا کوئی شخص پہچانا ہوا، ہے ہی نہیں.

عوام الناس ان علماء و مشائخ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کا معاشرے میں اور آج کل کے دور میں، میڈیا پر سکہ چلتا ہے اور کبھی یہ نہیں جانتے کہ بسا اوقات ہیرا سمندر کی تہہ میں اور موتی ویرانوں میں ہوتے ہیں.

منجملہ اور کمالات کے حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے یہ کمال دیا تھا کہ ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز ''خدمت خلق'' تھا وہ تصوف کی اس روح سے آشنا تھے. اللہ تعالیٰ کے کنبے کے خدمت گزار تھے اور مخلوق کہیں بھی دقت و تکلیف میں مبتلا ہوتی، درد، اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں اٹھتا. اپنا کھانا

---

[1] لسان الميزان، من اسمه اوس و اويس، ج:٢، ص:٢٢٧.

بھوکوں کو کھلاتے رہے اور اپنے کپڑے غریبوں کو پہناتے رہے.

اسلام جس طرح کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں فرد کی ضروریات زندگی اور فرد کے بنیادی حقوق کی ذمہ دار خلافت ہوتی ہے. خلافت یا حکومت کی تمام تر جدوجہد کے باوجود اگر معاشرتی اور طبقاتی نظام میں کچھ خلا باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے افرد چاہتا ہے جو انسانوں کے بنیادی مسائل کو حل کریں. ایسے ہاتھ جو انسانیت کی خدمت کریں وہ ارتکازِ زر کی بجائے، انفاق کریں، ایسی نگاہیں جو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سوسائٹی کے ضرورت مند افراد کو تلاش کریں اور ان کی زندگی کو آسان بنائیں. خدمت خلق میں اپنی صلاحیتیں اور اپنے مال کو کھپائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہنسی خوشی زندگی بسر کرے. اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر بڑھے اور معاشی خوشحالی سے اس کی عبادت میں بھی اطمینان اور عمق پیدا ہو. غنا اور فقر دونوں میں درجہ اعتدال ضروری ہے اور دونوں کی انتہاء کے ڈانڈے کفر سے جا ملتے ہیں. اسی لیے جمع الجوامع، قسم الاقوال میں علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعا نقل کی ہے.

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ عَمَلٍ یُخْزِیْنِیْ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ صَاحِبٍ یُؤْذِیْنِیْ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ اَمَلٍ یُلْھِیْنِیْ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ فَقْرٍ یُنْسِیْنِیْ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنًی یُطْغِیْنِیْ. (الحزب الاعظم، وردالاربعاء)

اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس عمل سے، جس کا انجام رسوائی ہو، ہر اس دوست سے جو مجھے ایذاء دے، ہر اس امید سے جو مجھے غافل کر دے، اُس فقر و فاقہ سے جو تیری یاد بھلا دے اور ایسے مال سے جو تیرا باغی بنا دے .

حقیقی صوفی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی جان، نفس اور مال پر نافذ کرے اور اس کے سینے میں انسانیت کے لیے درد ہو. خالق کی بندگی اسے مخلوق کے حقوق سے غافل نہ کرے اور مخلوق کی محبت اطاعت الٰہی میں رکاوٹ نہ ڈالے.

حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال اور کمال تھا. وہ عبادت میں اتنے تاک تھے کہ جب شام ہوتی

تھی تو اپنے نفس سے کہتے تھے آج کی رات تو رکوع کے لیے ہے اور پھر نماز پڑھتے اور بہت طویل رکوع کرتے اور کبھی شام کو اپنے نفس سے کہتے آج کی رات تو سجدے کے لیے ہے اور پھر تمام رات سجدوں میں گزر جاتی.

مخلوق پر ایسی شفقت کہ شام کو گھر کا جائزہ لیتے اور کپڑے اور کھانا جو ضرورت سے زائد ہوتا، سب غرباء کے حوالے کر دیتے. تا کہ خلق خدا میں کوئی بھوکا نہ رہے اور شاید کہ کوئی تن ڈھانپا جائے. اپنی استطاعت کی حد تک یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی شرمندہ ہوتے اور بہت عاجزی سے عرض کرتے:[1]

اللهم، من مات جوعا فلا تؤاخذني به، ومن مات عريانا فلا تؤاخذني به!

اے اللہ دنیا میں کوئی شخص اگر بھوک سے مر جائے تو میری گرفت نہ فرما اور اللہ اگر کوئی بغیر کپڑوں کے سردی سے مر جائے مجھے نہ پکڑ.

مومن ایسے ہی حساس دل کا مالک ہوتا ہے. اس ٹکے، پیسے اور روپے کا کیا فائدہ جو دنیا میں انسانوں کے کام آئے اور نہ ہی اس سے آخرت سنورے.

گر اچھی کرنی ،نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ کی کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم ، جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی ، گھبراؤ گے، پچھتاؤ گے
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی ، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باجے گا ، چلنے کی فکر کرو بابا[2]

---

[1] روح القدس لابن العربی، ص: ۲۵۴.

[2] کلیات نظیر اکبر آبادی، عنوان پیری کی سواری اور سفر آخرت کی تیاری، ص: ۴۹۷.

1

حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی روایات

عربی لغت میں "سَــمَــحَ" کے اصل معنی سہولت اور سلاست کے آتے ہیں اور "رَجُــلٌ سَمْحٌ" کے معنی "جواد" یعنی "سخی انسان" کے آتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مال کو بہت سہولت کے ساتھ خرچ کر دیتا ہے۔

"اَلْمُسَامَحَة" کا لفظ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے دشمن کو سہولت دے یا شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں اپنے دشمن سے نرم رویہ اختیار کرے۔[1]

علامہ سید محمد مرتضی الزبیدی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ:[2]

مشہور شاعر ابن مقبل کہتا ہے:

وإني لأَستَحيِي وفي الحَقِّ مَسْمَحٌ إذا جاءَ بَاغِيُ العُرْفِ أَنْ أَتَعَذَّرَا

---

1 سمح : السين والميم والحاء أصل يدل على سلاسة وسهولة. يقال سمح له بالشيء، ورجل سمح ، أي جواد ......ومن الباب :المسامحة فى الطعان والضرب ،إذا كان مساهلة.(معجم المقاييس فى اللغةلابن فارس بن زكريا، مادة: سمح، ص: ٤٩١).

2 تاج العروس ، مادة : سمح، ج :٤، ص: ٩٦.

جب کوئی شخص اقرار کرے پھر اپنے اقرار سے مکر جائے اور پھر لوٹ آئے اور
معذرت کرے پھر بھی میں اس کی معذرت کو قبول نہ کروں تو مجھے شرم آتی ہے
کیونکہ سچائی میں ہمیشہ سہولت (وسعت) ہے۔

ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک کی سیدھی لکڑی جس میں کوئی گرہ (گانٹھ) نہ ہو اس لکڑی کو "عُودٌ سَمْحٌ" کہا جاتا ہے[1] اور "سَمْحُ الکَفَّيْنِ نَقِيُّ الطَّرَفَيْنِ" کا مطلب ہے وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ سخی (سَمْحٌ) ہوں اور اُس کی دونوں اطراف یعنی زبان اور جنسی اعضاء (گفتگو اور جنس sex) دونوں بالکل پاک ہوں۔[2]

اگر چہ اس محاورے سے مراد تو ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جس میں یہ دونوں صفات پائی جائیں لیکن خاص طور پہ اس سے خلیفہ راشد و مظلوم امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ ان کی سخاوت اور عفت دونوں ضرب المثل کی حد تک مشہور زمانہ ہیں۔

پھر اسی محاورے سے متعلق "تَسَامُحٌ" کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی غلطی سے درگزر کرنا، نرمی سے سمجھا دینا، شفقت کا رویہ، بھول چوک یا وہ غلطی جو قصداً نہ کی جائے۔

اسی "تَسَامُحٌ" کی جمع "تَسَامُحَاتٌ" ہے یعنی وہ بھول چوک جو بغیر کسی ارادے کے سرزد ہو گئی ہو اور جان بوجھ کر نہ کی گئی ہو بلکہ سہواً کوئی لغزش وقوع پذیر ہو جائے۔

"الندوہ" میں یہ عنوان اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ بجز حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اس جہاں میں کون معصوم ہے؟ ہر ایک سے خطاء ہو سکتی ہے اور ہر کوئی لغزش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ علم کی دنیا میں بہت سے لوگوں نے جان بوجھ کر مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بعض ایسے بھی تھے

---

[1] "عود سمح" بين السماحة والسموحة، مستو، لين لا عقدة فيه، (تاج العروس، مادة: سمح، ج: ٤، ص: ٩٦).

[2] لغات الحديث للعلامة وحيد الزمان، مادة: سمح، ج: ٢، ص: ١٥٨.

جو فی الواقع علم کا سمندر (بحر العلوم) تھے لیکن کسی علمی لغزش میں پھنس گئے. انہوں نے جان بوجھ کر یہ غلطی نہیں کی بلکہ کبھی تو لاعلمی سے کوئی بات، کوئی جملہ، کوئی واقعہ تحریر فرما دیا اور کبھی اپنی سادگی سے کسی سراب کو حقیقت سمجھ بیٹھے. کبھی نقل میں خطا ہوگئی اور کبھی کسی جذبے کے غلبے میں کوئی کمزور دلیل دے دی.

"تَسَامُحَاتُ" کے عنوان کے تحت کچھ ایسی علمی لغزشوں پر تبصرہ ہے. کیونکہ جن حضرات کا مقام، علم وفضل میں مسلّم ہے، وہ جب کسی علمی مسامحت کا شکار ہوتے ہیں تو آئندہ آنے والی علمی نسلیں ان کے اس "تَسَامُحُ" کو بالکل ویسے ہی قبول اور نقل کر دیتی ہیں، بغیر یہ جانے کہ اس نقل میں بھی خود ایک علمی "تَسَامُحُ" پایا جاتا ہے. جن اہل علم کا سکہ علمی دنیا میں چل رہا ہوتا ہے انہیں معصوم جاننے کی وجہ سے تحقیق کا باب بند ہو جاتا ہے اور یہی علمی "تَسَامُحَاتُ" وقت کے ساتھ ساتھ حجت شرعیہ بن جاتے ہیں اور اسی "سہو" اور "تَسَامُحَاتُ" کی بنیاد پر عقیدہ اور عمل تشکیل پاتا ہے.

لازم ہے کہ ادب اور احترام — جو کہ شرافت اور انسانیت کے لوازمات حقہ میں سے ہے — کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور اہل علم کی نیت پر قطعاً کوئی شک کیے بغیر، ان سے جو علمی "تَسَامُحَات" سرزد ہو گئے ان پر تبصرہ کر دیا جائے تاکہ علم بھی عدل کے ترازو میں تلتا رہے اور یہ علم کے چراغ انسانوں کو غلط راہ سے بچاتے اور صحیح راہ دکھاتے رہیں.

انہی علم "تَسَامُحَات" میں سے ایک "تَسَامُحُ" وہ بھی ہے، جس کا تعلق حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے.

شیخ الاسلام، الحافظ، الامام، ابوالعباس تقی الدین احمد بن شہاب ابن تیمیہ الحرانی الدمشقی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ 661ھ میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال 728ھ میں ہوا ہے، اپنے دور کے نابغۂ روزگار تھے. تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تاریخ، لغت اور مناظرہ پر یکساں قدرت حاصل تھی. اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی گنے گئے اور جیسے تفسیر قرآن حکیم پر عبور حاصل تھا ویسے ہی تورات اور انجیل

کی تحریفات وتفصیلات بھی جانتے تھے۔اسلام کے بالمقابل جو مذاہب تھے جیسے یہودیت اور عیسائیت ان کا بھی رد لکھا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مقابلے میں جو فرقے تھے جیسے معتزلہ، مرجئہ، قدریہ اور شیعہ وغیرہ ان کے دلائل پر بھی آہنی گرفت کی، ان کے دور میں شیعہ علماء اور خاص طور پر علامہ حلی نے یہ کوشش کی کہ حکمران وقت ''خدابندہ'' شیعہ مسلک کو قبول کرے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک کتاب تحریر فرمائی ''منهاج الكرامة فی معرفة الامامة'' جب یہ کتاب حکمران وقت اور اہل اقتدار کے پاس پہنچی تو انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ کی طرف رجوع کیا اور معرفتِ عقائدِ صحیحہ کے لیے درخواست کی کہ اس کتاب کے مندرجات کی حقیقت واضح فرمائیں اور ادراک حقائق کے لیے رہنمائی فرمائیں۔

امام ابن تیمیہ نوراللہ مرقدہ وطاب ثراہ نے ''منهاج الكرامة'' کا مکمل مطالعہ فرما کر اس کے جواب میں ایک کتاب ''منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعه والقدريه'' تحریر فرمائی۔

کتاب کی اصل قدر و قیمت کا تو کچھ اندازہ اس کے مکمل مطالعے کے بعد ہی ہوا البتہ چند ایک مقامات پر جو کچھ تسامحات ہوئے ہیں ان میں سے ایک تسامح وہ بھی ہے جو حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر میں واقع ہوا ہے۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔[1]

''ولم يأخذ عنه أحد من أهل العلم الحديث شيئاً، ولا روي له حديثاً في كتب السنة''۔

اہل علم میں سے کسی ایک شخص نے بھی ان سے حدیث کی کوئی روایت نہیں لی اور صحاح ستہ میں ان کی کوئی ایک روایت بھی نہیں ہے۔

آخری فقرے ''فی كتب السنة'' کو دو طرح سے لکھا گیا ہے۔منہاج السنۃ کے بعض نسخوں میں ''فی

---

[1] کتاب، منهاج السنة النبوية، فصل: قال و كان ولده علی الرضا أزهد أهل زمانه ......، ج: ۲، ص: ۱۷۹۔

کتب السنة" کے الفاظ ہیں یعنی "چھ کتابوں میں" اور ظاہر ہے کہ چھ کتابوں سے مراد صحاح ستہ ہی ہیں جیسے کہ ترجمہ بھی ایسے ہی کیا گیا ہے اور بعض نسخوں میں یہ الفاظ " فی کتب السنة" ہیں تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی کسی بھی کتاب میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی روایتِ حدیث نہیں ملتی.

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے. حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی روایات واحادیث نہ صرف یہ کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں ملتی ہیں بلکہ ایک روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے اور سنن ابی ماجہ صحاح ستہ میں شامل ہے. شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تسامح سرزد ہوا ہے.

امام ابن ماجہ محمد بن یزید القزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن ابن ماجہ کے مقدمے میں ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے:

باب فی الا یمان وہ باب جس میں ایمان کے متعلق روایات ہیں.

اور پھر اس میں یہ روایت لائے ہیں:[1]

حدثنا سهل بن أبی سهل و محمد بن اسماعیل قالا: ثناعبد السلام بن صالح أبو الصلت الهروی،ثنا علی بن موسی الرضا ، عن أبیه، عن جعفر بن محمد، عن أبیه، عن علی بن الحسین، عن أبیه، عن علی بن أبی طالب قال: قال رسول اللهﷺ(ألإیمان،معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل بالأرکان)

قال أبو الصلت: لو قرئ هذا الإسناد علی مجنون لبرأ .

"ہم سے حدیث بیان کی سہل بن ابی سہل اور محمد بن اسمٰعیل نے ،ان سے

---

[1] سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب ألإیمان، ج: ١ ،ص: ٦١، رقم الحدیث: ٦٥.

حدیث بیان کی عبدالسلام بن صالح ابو الصّلت الہروی نے ،ان سے حدیث بیان کی علی بن موسیٰ رضا نے ،ان سے ان کے والد موسیٰ بن جعفر نے ،ان سے ان کے والد محمد باقر نے ،ان سے ان کے والد علی بن الحسین زین العابدین نے ، ان سے ان کے والد حضرت حسین نے ،اوران سے ان کے والد سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہ وعنہم نے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان نام ہے دل کی معرفت اورزبان کے اقراراوراپنے اعضاء جوارح سے عمل کرنے کا.

اس حدیث کے راوی ابو الصّلت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند کو پڑھ کر اگر دیوانے پر دم کیا جائے تواس کی دیوانگی دور ہو جائے گی".

اب اس حدیث کی سند میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے پھر وہ اپنے والد حضرت جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے پھر وہ اپنے والد حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے پھر وہ اپنے والد سید الساجدین حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے پھر وہ اپنے والد شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے، پھر وہ اپنے والد خلیفۂ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان فرما رہے ہیں. تو سنن ابن ماجۃ نہ صرف یہ کہ صحاح ستہ میں داخل ہے بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے تو اس میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی روایت آگئی جس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تسامح ہوا ہے. منہاج السنۃ میں اس مقام پر پہنچ کر غالباً ان کی توجہ ابن ماجۃ کی اس روایت کی طرف مبذول نہیں ہوئی.

شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی تحریر کو اگر دوسرے پہلو سے لیا جائے کہ حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کتب اہل السنۃ والجماعۃ میں نہیں آئیں تو بھی یہ دعویٰ درست قرار نہیں پاتا. اہل السنۃ والجماعت "کثر اللہ سوادھم" کی کتابوں میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی روایات جہاں آئی ہیں

ان میں سے صرف دو کتابوں کی نشاندہی کی جاتی ہے.

(1) حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت لی ہے. انہوں نے اپنی مشہور کتاب "السنن الکبریٰ" میں "کتاب الزکاۃ" کے ذیل میں عنوان قائم کیا ہے:

"باب إخراج زكوة الفطر عن نفسه" اس باب میں ان احادیث کا بیان ہے جس میں انسان کا اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی روایات ہیں.

اور پھر ایک سند بیان کی ہے:[1]

وروي ذلك عن علي ابن موسى الرضا عن أبيه عن جده عن آبائه عن النبي صلى الله عليه وسلم .

اور اس مسئلے میں حضرت علی بن موسیٰ الرضا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی روایت ہے جسے وہ اپنے والد اور پھر وہ اپنے دادا اور پھر وہ اپنے آباء رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس مسئلے میں ارشاد فرمایا تھا.

(2) دوسری روایت امام کبیر علی بن عمر دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، وہ اپنی کتاب سنن دار قطنی میں اسی باب (كتاب زكوة الفطر) میں یہ روایت لائے ہیں:

حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد ، ثنا محمد بن المفضل بن إبراهيم الأشعري، ثنا إسماعيل بن همام ، حدثني علي بن

---

[1] السنن الكبرىٰ ، كتاب الزكاة ، باب إخراج زكاة الفطر عن نفسه وغيره، ج: ٦، ص:٩٥، رقم الحديث: ٧٧٧٧ .

موسی الرضا ، عن أبیه ، عن جده ،عن آبائه :(أن النبي ﷺ فرض زکاۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ، والذکر والأنثی ممن تمونون.[1]

ہم سے حدیث بیان کی احمد بن محمد بن سعید نے ، ان سے محمد بن مفضل بن ابراہیم نے ، ان سے اسمٰعیل بن ہمام نے ، ان سے حضرت علی بن موسٰی الرضا نے ، اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت رسالت مآب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: صدقۂ فطر خاندان کے ہر چھوٹے ، بڑے ، مرد اور عورت پر فرض ہے ، جن کی تم کفالت کرتے ہو۔

سنن دار قطنی اگرچہ صحاح ستہ میں سے نہیں ہے لیکن اہل السنۃ والجماعت کی معتبر کتابوں میں سے تو ہے. اس لیے حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تحریر فرمانا کہ حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی روایت صحاح ستہ یا کتب اہل السنۃ والجماعۃ میں نہیں ہے، تسامح ہے. سامحہ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ .

آثار نبوی ﷺ

حضرت رسالت مآب ﷺ نے حرمین شریفین اور ان کے درمیانی راستے میں جن مساجد اور جگہوں پر نماز ادا فرمائی ہے، یا جن مقامات پر قیام فرمایا ہے ان کو متبرک جان کر، وہاں سے برکت حاصل کرنے

[1] سنن الدار قطنی، کتاب زکاۃ الفطر، ج : ۲، ص : ۱۷۷، رقم الحدیث :۲۰۵۸.

کے لیے نماز پڑھنا اور اُن اشیاء سے جو حضرت رسالت مآب ﷺ نے استعمال فرمائی ہیں، حصول برکت کے لیے ان کا استعمال کرنا، حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم میں بغیر کسی کے انکار کے، ہمیشہ رہا ہے. یہ حضرات ایسے مقامات کا احترام کرتے تھے، انہیں تلاش کر کے برکت حاصل کرنے کے لیے اُن مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور ان اشیاء کو بھی استعمال کرتے تھے. لیکن جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان اماکن کو تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے وہ اس بات کا انکار نہیں کرتے تھے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی وجہ سے اِن اماکن اور اشیاء میں برکت نہیں ہے بلکہ وہ تو اس وجہ سے منع فرماتے تھے کہ عوام اپنی جہالت کی وجہ سے حدود سے تجاوز نہ کر جائیں اور کہیں شرک و بدعت کی راہ نہ کھل جائے.

انہی حضرات کا دوسرا گروہ جو ان اماکن و اشیاء کو ڈھونڈ کر اور متبرک سمجھ کر استعمال کرتا تھا انہیں یہ پہلا گروہ نہ تو گمراہ و بدعتی قرار دیتا تھا اور نہ ہی ان کو، ان کے اس فعل سے، گناہ جان کر منع کرتا تھا. گویا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہوں کا یہ سکوتی اجماع تھا.

منع کرنے والے گروہ کے پیش نظر انتظامی مصلحتیں تھیں اور استعمال کرنے والے حضرات بھی اس فعل میں شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں ایک مکمل فصل اس موضوع پر تحریر فرمائی ہے اور اس میں دونوں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف بیان کیا ہے. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ بتایا ہے کہ صرف وہ اکیلے صحابی رضی اللہ عنہ تھے، جو کہ ان مقامات کی تلاش میں رہتے تھے اور پھر وہاں پر نماز بھی پڑھتے تھے کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی تحریر فرماتے ہیں کہ:[1]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان مقامات کی کھوج لگاتے تھے، جن

---

[1] کما نقل عن ابن عمر (أنه كان يتحرى قصد المواضع التى سلكهاالنبى صلى الله عليه و سلم) ......

راستوں سے حضرت رسالت مآب ﷺ گزرے تھے اگرچہ ان مقامات پر آپ اتفاقاً تشریف لے گئے تھے قصداً جانے کا ارادہ نہ تھا"۔

پھر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:[1]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے راستے کی پیروی کرتے تھے یہاں تک کہ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ وہ ایک جگہ پانی بہادیتے تھے۔ جب ان سے اس فعل کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا اس مقام پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے پانی بہایا تھا"۔

پھر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:[2]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی راستوں میں وہ مقامات ڈھونڈا کرتے تھے جہاں پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور پھر ان مقامات پر نماز بھی پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میرے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) بھی ان مقامات پر ایسے ہی نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو دیکھا تھا وہ بھی ان مقامات پر نماز ادا فرماتے تھے"۔

پھر مزید آگے چل کر وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل پر تنقید فرماتے ہیں اور بہت واضح

...... وإن كان النبي قد سلكها اتفاقاً لا قصداً (فصل: فأما مقامات الأنبياء والصالحين......، ص: ٣٨٤).

[1] كان يتتبع مواضع سير النبي ﷺ حتى أنه روي يصب في موضع ماء، فسئل عن ذلك؟ فقال (كان النبي ﷺ يصب هنها ماء). ص: ٣٨٥.

[2] رأيت سالم بن عبدالله يتحرى أما كن من الطريق، ويصلي فيها، ويحدث أن أباه كان يصلي فيها. وانه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في تلك الأمكنة. ص: ٣٨٥.

الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:[1]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کچھ کرتے تھے کسی ایک صحابی نے بھی ان کی موافقت نہیں کی. خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بلکہ تمام مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ نہیں کیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ان مقامات کی کھوج لگاتا پھرے، جن مقامات پر حضرت رسالت مآب ﷺ اترے تھے''.

اور پھر مزید آگے چل کر یہ تنقید کا پیمانہ بڑھا دیتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ:[2]

''ان مقامات کو ڈھونڈنا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت نہیں تھی بلکہ یہ بدعت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے شروع کی تھی''.

اس عبارت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے کئی ایک تسامحات ہوئے ہیں جن میں سے،

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بدعت نہیں تھا، وہ تو ان ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو رد بدعت کے لیے مشہور ہیں. ان کا مزاج تو یہ تھا کہ ان کی عیادت کے لیے ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے شام کے کسی صاحب کا سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا:[3]

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس شخص نے اسلام میں کوئی بدعت شروع کر دی ہے اگر ایسے ہوا ہے تو

---

[1] ولأن ما فعله ابن عمر لم يوافقه عليه أحد من الصحابة. فلم ينقل عن الخلفاء الراشدين، ولا عن غيرهم من المهاجرين والأنصار: أن أحداً منهم كان يتحرى قصد الأمكنة التى نزلها النبى صلى الله عليه وسلم. (اقتضاء الصراط المستقيم، فصل: فأما مقامات الأنبياء والصالحين...... ص:٣٨٧).

[2] وتحرى هذا ليس من سنة الخلفاء الراشدين، بل هو مما ابتدع. (ص: ٣٩٠).

[3] أن رجلا أتى ابن عمر فقال: إن فلانا يقرئك السلام قال: إنه قد أحدث فلا تقرئه منى السلام فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: يكون فى أمتى أو فى هذه الأمة مسخ وخسف وقذف وذلك فى أهل القدر. (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الخسوف، ج: ٤، ص: ٤٣٣، رقم الحديث: ٤٠٦١).

اُسے میرا اسلام نہ پہنچانا، میں نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے یہ سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میری اُمت میں کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ ہو جائیں گی اور کچھ لوگ زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے اور یہ عذاب ان پر آئے گا جو تقدیر کا انکار کریں گے''۔

مراد یہ ہے کہ تقدیر کا انکار کر کے وہ لوگ بدعتی بنیں گے اور چونکہ بے دینی کو دین کے نام پر پیش کریں گے اس لیے ان بدعتیوں کو خدا کا یہ عذاب گھیر لے گا۔

سو اندازہ کرنا چاہیے کہ جو ہستی بدعات کے اتنی خلاف تھی کہ کسی بدعتی کو سلام بھیجنے تک کی روادار نہ تھی اور انہیں عذاب کی وعید سناتی تھی، وہ خود کیا کسی بدعت کا ارتکاب کرے گی؟

(2) وہ جب ان مقامات کو تلاش کرتے تھے جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ کا جسد مبارک مَس ہوا تھا تو کیا ان کی اس کوشش کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم نہ تھا پھر کیوں کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ تک نے، ان کے اس فعل پر نکیر نہیں کی؟ کتب تاریخ وحدیث میں کسی ایک کا بھی تذکرہ نہیں ملتا ہے اور نہ ہی کبھی مل سکے گا کہ اس فعل کو بدعت کہا ہو یا انہوں نے تمنا کی ہو کہ کاش ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کام نہ کرتے، تو جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ کوشش اور اس پر عمل بلا کھٹکے ہو رہا تھا تو پھر کیا یہ ان کا اجماع سکوتی نہ تھا؟

(3) جب یہ بات ثابت ہے کہ اُن کے اس فعل پر کسی ایک نے بھی تنقید نہیں کی تو کیا اصول میں یہ بات طے شدہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید شریعت میں ایک دلیل ہے۔ احناف کثر اللہ سوادھم کے ہاں تو یہ طے شدہ اصول ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول اور فعل دین میں دلیل کے طور پر استعمال ہوگا۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہم کا قول اور فعل کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے تو دلیل نہیں ہے لیکن ان کے دور کے بعد آنے والے امت کے لیے تو ان کا قول اور فعل دلیل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اس بات سے بہت بلند و برتر تھے کہ جھوٹ بولتے یا اپنے پاس سے دین میں کسی بدعت کو

بدعت کو شامل کرتے تو جب ان کی ثقاہت وعدالت روز روشن کی طرح واضح ہے تو پھر امت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کو ترک کر دے. اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی مسئلے میں دونوں طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہوں اور ان کے اقوال متضاد ہوں جیسے کہ اس حقیقت کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس کی نظر آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہے تو پھر کس فریق کے قول پر عمل کیا جائے گا؟ یہ فیصلہ کرنا مجتہد کا کام ہے. حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نضر الله و جهه، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ اور دیگر آئمہ مجتہدین مختلف دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ یا اجتہاد کریں گے کہ کن آثار کی پیروی مناسب ہے البتہ تابعین کے لیے یہ اصول نہیں ہے کیونکہ ان میں اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی تھے اور یزید و حجاج بن یوسف جیسے فاسق و فاجر بھی. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثقاہت اور عدالت کے لیے تو نصوص موجود ہیں لیکن تابعین کی عدالت پر کوئی نص قطعی نہیں ہے۔[1]

---

[1] لکن (للصحابة أن يرتابوا بعضهم في بعض) فلا يعمل بعضهم بقول بعض (أما نحن فلا نتكلم الا بخير) ولا نرتاب فيهم بوجه لقيام الحجة على عدالتهم كالشمس على نصف النهار، فلا يجوز لنا ترك التقليد، وأما التابعي فيجوز لنا الريبة فيه أيضاً لعدم دلالة النص على عدالة التابعين، وانما الظن باستقراء الحال (فتدبر) وقد يجاب عن الثاني بأن اتخاذ الصحابي مذهباً فيما لا مجال للرأي فيه دل دلالة قاطعة أو مظنونة ظناً قوياً أنه سمع فيه شيئاً، فهو قطعي، عنده ثبوتاً، ثم هو مشاهد للقرائن، فلا يخطىء في فهم المراد، فمذهب الصحابي دليل الدليل، وأما التابعي فليس هو سامعاً، فالمسموع ليس مقطوع الثبوت، وهو غير مشاهد للقرائن المفهمة، فجاز عليه الخطأ في فهم المراد، وظن ما ليس دليلاً دليلاً، ومع ذلك العدالة غير منصوصة، فاضمحل فيه ظن الدلالة على الدليل فافهم. (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت في فروع الحنفيه، مسألة: قال الرازي وغيره: قول الصحابي فيما يمكن فيه الرأي، ج: ٢، ص: ٢٤١).

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

(پ:۲۲،س:فاطر،آیت: ۳۲)

پھر (حضرت رسالت مآب ﷺ کے بعد) ہم نے اس کتاب (قرآن حکیم) کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جنھیں ہم نے چن لیا تھا. پھر ان (چنے ہوئے بندوں) میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور انہی میں کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں.

حضرت رسالت مآب ﷺ کے بعد پوری امت قرآن کریم کی وارث ہوئی. اب امت میں تین طبقات بن گئے اور یہ تینوں طبقات جنتی ہیں. حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے دونوں گروہوں میں شامل نہیں ہیں نہ ہی تو وہ ظالم ہیں اور نہ ہی درمیانے درجے کے وہ تو "سابق بالخیرات باذن اللّٰہ" یعنی آخری گروہ کے افراد ہیں. ہاں تابعین میں تینوں طرح کے لوگ تھے اور قیامت تک آنے والی امت میں یہ تین قسم کے افراد رہیں گے.

اس لیے تابعین میں ظالم بھی تھے، درمیانے درجے کے لوگ بھی تھے اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نیکیوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے. تو جب سب طرح کے لوگ تھے تو ان میں سے کچھ کی عدالت و ثقاہت ساقط ہوگئی تھی اور کچھ کی نہیں ہوئی تھی لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت ساقط نہ ہونا، جب مسلّم ہے تو پھر ان کا حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل پر اعتراض نہ کرنا یہ اجماع سکوتی ہے اور خود حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصریحات کے مطابق یہ "اجماع اقراری" بن جاتا ہے. چنانچہ وہ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:[1]

"ومن قال من العلماء (إن قول الصحابي حجة) فإنما قاله اذا

---

[1] مجموعة الفتاوى شيخ الا سلام أحمد بن تيميه رحمة الله عليه ، ج:١ ،ص :٢٨٣.

لم يخالفه غيره من الصحابة ولا عرف نص يخالفه ،ثم اذا اشتهر ولم ينكروا كان اقرار أعلى القول، فقد يقال(هذا إجماع إقراري) اذا عرف أنهم أقروه ولم ينكره أحد منهم، وهم لا يقرون على باطل."

اور علماء میں سے جن کا کہنا یہ ہے "صحابی رضی اللہ عنہ کا کہنا، یہ شرعی دلیل ہے" تو اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول اس وقت شرعی دلیل ہے، جب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قول کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی وہ قول شریعت کی دیگر نصوص سے ٹکراتا ہو پھر وہ قول جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شہرت حاصل کرے اور ان میں سے کوئی اس قول کا انکار بھی نہ کرے بلکہ اس قول کا اقرار کرلیں تو اس اجماع کو "اجماع قراری" کہا جائے گا لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے اس بات کو تسلیم کرلیا تھا اور کسی نے بھی انکار نہیں کیا تھا کیونکہ کسی غلط بات پر ان کا اجماع نہیں ہوسکتا تھا۔

اس اصول ہی کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل پرکھ لیا جائے تو بھی سقم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی میں نظر آتا ہے۔

کوئی شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل پیش کرے، تو اس طرزِ عمل کی حقیقت وہ ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں تحریر فرمائی ہے:[1]

---

[1] اہل علم چاہیں تو(فتح الباری کتاب الصلاة ،باب المساجد التی علی طرق المدينة ،ج :۱،ص: ۵۶۹) کی طرف مراجعت فرماسکتے ہیں۔

(4) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات کو شروع ہی سے متبرک مانتے اور جانتے تھے، جہاں پر کسی بھی طور حضرت رسالت مآب ﷺ کے وجودِ سعید کا مَس ہوا ہو صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عِتْبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ انصاری اور بدری صحابی تھے، حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے قبیلے کو نماز پڑھاتا ہوں اور میری نظر کمزور ہوگئی ہے پھر جب موسم برسات آتا ہے تو میرے گھر اور قبیلے والوں کے درمیان کی زمین میں سیلاب آجاتا ہے اور میں ان کی مسجد میں امامت کے لیے جا نہیں سکتا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز ادا فرما دیں تو میں اس جگہ کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں، حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ میں جلد ہی آؤں گا۔ پھر اگلے ہی روز دن چڑھے آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف لے گئے اور جب گھر میں داخل ہوئے تو بجائے تشریف فرما ہونے کے ارشاد فرمایا: آپ کے گھر کے کس حصے میں نماز پڑھ دوں؟ میں نے ایک کونے کی نشاندہی کر دی اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے نماز کا آغاز کیا۔

اس حدیث کے اس حصے سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے:

> ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کی جن مقامات پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے اور یا پھر اس پر تشریف فرما ہوئے ہیں، وہ مقام متبرک ہے''۔[1]

اب غور کیجیے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے برکت حاصل کرنے کے لیے ہی تو

---

[1] وفيه التبرك بالمواضع التى صلى فيها النبى ﷺ أو وطئها، ويستفاد منه أن من دعى من الصالحين ليتبرك به أنه يجيب اذا أمن الفتنه. (فتح البارى، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت، ج: ١، ص: ٥٢٢).

حضرت عِتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے ایک گوشے میں، نماز ادا فرمانے کی درخواست کی تھی اور یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی کیا کرتے تھے تو پھر یہ "بدعت" تو دور نبوی ہی سے جاری تھی اب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آٹھویں صدی میں پہنچ کر اس پر کیسے اعتراض کر سکتے ہیں؟

(5) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان اماکن کو کیوں متبرک جانتے تھے اور وہ پانی کے قطرات، بال، برتن اور کپڑے کیوں متبرک مانتے تھے جنہیں حضرت رسالت مآب ﷺ نے مَس کیا ہو؟ اس کی وجہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے ان کی محبت تھی اور محبت کا یہ مظاہرہ کچھ ناجائز تو نہ تھا، حضرت رسالت مآب ﷺ کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوتا تھا اور آپ ان افعال سے منع نہ فرماتے تھے. تو پھر یہ سب کچھ بھلا کس قاعدے کے تحت بدعت قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے وضو کیا تو آپ کے جسم مبارک سے پانی کے جو قطرات گر رہے تھے، انہیں اپنے ہاتھوں پر لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا، آپ نے دریافت فرمایا "یہ کام کیوں کر رہے ہو"؟ تو یہ عرض کیا گیا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں" تو آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ محبت کریں تو پھر اسے چاہیے کہ:

① ہمیشہ سچ بولے.

② جب کوئی امانت اُس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے.

③ جن کا بھی پڑوسی بنے، اپنے ان پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرے.[1]

---

[1] عن عبدالرحمن بن أبي قراد أن النبي ﷺ توضأ يوما فجعل أصحابه يتمسحون بوضوئه فقال......

اب یہ سب کچھ حضرت رسالت مآب ﷺ کے سامنے ہی تو ہوا ہے، اگر یہ گناہ ہوتا تو آپ روک نہ دیتے؟

(6) حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ بھی عجیب ہے کہ ان اماکن کی جستجو صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کیا کرتے تھے، شاید ان کا دھیان ان روایت کی طرف نہیں گیا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اماکن جہاں پر حضرت رسالت مآب ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان اماکن کی بے ادبی کو پسند نہیں کرتے تھے، انہیں خوب معلوم تھا کہ ان جگہوں کی کیا قدر و قیمت ہے. "ذُبـاَبُ" نامی پہاڑ پر غزوۂ خندق کے دوران حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنا خیمہ نصب کروایا تھا اور نمازیں بھی وہیں ادا فرمائی تھیں. مروان بن حکم نے اپنے دور میں اس مقام کو پھانسی گھاٹ بنالیا اور وہاں پر لوگوں کو سولی پر چڑھایا جاتا تھا. حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب یہ اطلاع ملی تو انہوں نے نہ صرف غصے کا اظہار فرمایا بلکہ یہ کہہ کر مروان کو بددعا بھی دی:

تعست ؛ صلى عليه رسول الله ﷺ	تیرا ناس ہو جائے حضرت رسالت مآب ﷺ تو اس
واتخذته مصلباً.[1]	مقام پر نماز ادا فرمائیں اور تم اسے پھانسی گھاٹ بنالو!

پھر تابعین عظام رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک تھا، حضرت ہشام بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے حاکم زیاد بن عبید اللہ کو اور اس وقت کے دیگر عمائدین حکومت کو اس فعل سے روکا اور فرمایا:

...... لهم النبي ﷺ من سره أن يحب الله و رسوله أو يحبه الله ورسوله فليصدق حديثه إذاحدث وليؤد إذا،ائتمن وليحسن جوار من جاوره.(شعب الايمان للبيهقي الخامس عشر من الايمان، باب في تعظيم النبي ﷺ، ج:٢، ص:٢٠١، رقم الحديث:١٥٣٣).

[1] تاريخ المدينة المنورة، ابو زيد عمرو بن شبه النميرى، ذكر المساجد والمواضع التى صلى فيها رسول الله ﷺ، ج:١، ص: ٦٢.

یا عجبا، أتصلبون علی مضرب قبة رسول اللہ ﷺ؟ فکف عن ذلك زیاد، و کفت الولاة بعده عنه.[1]	تم لوگوں کی اس حرکت پر تعجب ہے کہ جس مقام پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنا خیمہ نصب کروایا تھا آج تم لوگوں نے اس مقام کو سولی دینے کی جگہ بنالیا ہے! پھر زیاد نے اس بات سے منع کردیا اور عمائدین نے بھی اس مقام کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا چھوڑ دیا۔

صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی نہیں دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم بھی ان مقامات کو عزت وادب کی نگاہ ہی سے دیکھتے تھے اوران میں تغیر کو ناپسند کرتے تھے.

(7) یہ اقرار تو خود حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہے کہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ بھی ان اماکن کی جستجو کر کے وہاں پر نماز پڑھا کرتے تھے. یہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر بیٹے، ایک اتنے عظیم تابعی کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جس حدیث کو امام زہری، سالم سے اور پھر وہ اپنے والد سے روایت کریں وہ صحیح ترین حدیث ہے. ان کا شمار مدینہ منورہ کے ان مشہور سات فقہاء میں ہوتا تھا، جن کے سامنے کسی کی مجال نہیں تھی کہ فتویٰ دے سکے. حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: مدینہ منورہ میں حکومت کو جب کوئی مسئلہ پیش آجاتا تھا تو قاضی اس مسئلے کو ان سات فقہاء کے پاس بھیجتا تھا، یہ حضرات اس مسئلے کے حل کے لیے جمع ہوجاتے تھے، پھر اس پر غور کرتے تھے اور جب تک ان کا فیصلہ نہیں آتا تھا، قاضی فیصلہ صادر نہیں کرتا تھا.[2]

یہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اتنے بڑے فقیہ، قاضی اور مفتی ہیں. جب یہ مکہ مکرمہ کے

---

[1] ایضاً. [2] وقال أحمد بن حنبل، وإسحاق بن راهو یه، أصح الأسانید الزهری عن سالم عن ....

لیے سفر کرتے تھے تو اس راستے میں:

"ان جگہوں کو تلاش کرتے تھے (جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ ٹھہرتے تھے) اور پھر ان مقامات پر نماز بھی پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے والد بھی ان اماکن پر نماز پڑھتے تھے اور ہمیں بتایا کرتے تھے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی ان مقامات پر نماز پڑھی تھی"۔[1]

یہ مدینہ منورہ کے ایک فقیہ اور مفتی جو کہ عظیم تابعی ہیں، ان کا عمل ہے، ہزاروں تابعین نے ان کے اس رویے کو دیکھا اور سنا، کسی نے بھی اس پر جرح نہیں کی، اور سو باتوں کی ایک بات کہ کیا اس پائے کے قاضی اور مفتی اور وہ بھی پہلی صدی ہجری میں، بدعت کا ارتکاب کر رہے تھے؟ کیا اس دور میں کھلے بندوں بدعات ہوتی تھیں اور ان بدعات کے ارتکاب پر کوئی کسی کو روکتا ٹوکتا نہیں تھا؟

اموی حکمرانوں کی بدعات پر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم جمعہ کے اجتماعات میں ہزاروں سنتے کانوں اور دیکھتی آنکھوں کے سامنے برملا تنقید کرتے تھے۔ جانتے تھے کہ ان حکمرانوں کی پکڑ دھکڑ سے کوئی محفوظ نہیں، لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے، بے خوف وخطر اتباع

...... أبيه، وقال علي بن الحسن العسقلاني عن ابن المبارك كا ن فقهاء أهل المدينة سبعة فذكره فيهم قال و كانو اذا جاء تهم المسألة دخلو فيها جميعاً فنظرو فيها، ولا يقضي القاضي حتى يرفع اليهم فينظرون فيها فيصدرون. (تهذيب التهذيب، حرف السين، من اسمه سالم، ج:۳،ص: ۲٤۸، رقم : ۲۲۵۱ .

[1] حدثنا موسى بن عقبة قال رأيت سالم بن عبدالله يتحرى أما كن من الطريق فيصلي فيها، ويحدث أن اباه كان يصلي فيها، وأنه رأى النبي يصلي في تلك الأ مكنة. وحدثني نافع ابن عمر أنه كان يصلي في تلك الأ مكنة. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينه، ص: ۱۱۱، رقم الحديث: ٤۸۳).

سنت کی تلقین کرتے تھے لیکن حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل پر تو کسی نے تنقید نہیں کی. اگر یہ فعل بدعت ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ بھلا خاموش رہتے؟

اسی روایت سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا ہے کہ:[1]

فھو حجة فی التبرك بآثار الصالحین. صالح حضرات کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، یہ روایت اس بات کی دلیل ہے.

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ عجیب تسامح ہوا ہے کہ صحیح بخاری کی ان روایات کو جاننے کے باوجود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کو بدعت قرار دے رہے ہیں.

یہ معاملہ تو پھر کسی حد تک قابل تسلیم ہے کہ "سداً للذرائع "جن حضرات نے ان افعال کو عوام کے لیے پسند نہیں کیا، ان کے مؤقف کا بھی احترام کیا جائے لیکن جن حضرات کا مؤقف ان اماکن میں برکات کا ہے، انہیں اور پھر خاص طور سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بدعتی قرار دینا، یہ کون سا انصاف ہے؟

یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رفع یدین کی احادیث میں آئیں تو پھر وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ (جو یقیناً ان سے بڑے مرتبے کے، قدیم الاسلام، بدری، ان سے بڑے فقیہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں) سے زیادہ بڑے مقام کے قرار پائیں اور یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب تبرکات کی روایات میں آئیں تو ان کی روایات پر اتنی سخت جرح ہو کہ ان کے افعال بدعت قرار پائیں آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟

(8) کاش کہ اس بدعت کے فتوے کو تحریر کرنے سے بیشتر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کی ان روایات کو فراموش نہ کر دیتے جن سے ان اماکن کے متبرک ہونے کے دلائل واضح طور پر ملتے ہیں. ان کے زمانے میں بھی حرمین وشریفین کے درمیان کئی ایک مساجد تھیں جو

---

[1] فتح الباری، کتاب الصلاة، باب المساجد التی علی طرق المدینة، ج: ۱، ص: ۵۶۹.

آثار نبوی ہی پر بنائی گئی تھیں، ان مساجد کی بنا پر ہی غور فرما لیتے. حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت سالم تابعی رضی اللہ عنہم ہی نہیں ہزاروں صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے ان آثار کو محفوظ کیا ہے. اگر یہ تینوں عالی مقام اسلاف امت رضی اللہ عنہم ''بدعات'' کا ارتکاب کر رہے تھے تو پھر بقیہ اسلاف کو کس دلیل سے ''بدعتی'' ہونے سے مستثنیٰ کیا جاسکے گا.

صورتحال یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ کے گورنر مقرر کیے گئے تو خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک نے انہیں ایک خط لکھا، اس ولید بن عبدالملک سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نفرت کا یہ عالم تھا (حالانکہ یہ دونوں چچازاد بھائی تھے) کہ ولید بن عبدالملک کو ایک ہی دن دو آدمیوں کی موت کی خبر ملی:

① ظالم الامۃ حجاج بن یوسف

② قرۃ بن شریک، گورنر مصر

تو اسے شدید رنج ہوا ننگے پاؤں، شدت غم سے بال بکھیرے ان لوگوں کے سامنے آیا جو تعزیت کے لیے آئے تھے اور بولا؛[1]

والله لأ شفعن لهما شفاعة تنفعهما. — اللہ تعالیٰ کی قسم میں قیامت میں ان دونوں کی ایسی شفاعت کروں گا، جس سے ان دونوں کو نفع ملے گا.

تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے خاموش نہ رہا گیا، فرمایا:

انظروا هذا الخبيث لا أناله الله شفاعة محمد ﷺ والحقه بهما. — اس خبیث کو دیکھو (شفاعت کے کیسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے) اللہ تعالیٰ اسے حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت نصیب نہ کرے اور اس کا حشر بھی ان دونوں ظالموں کے ساتھ کردے.

---

[1] النجوم الزاهرة ــ ۹۰ ولاية قرة بن شريك، ج:١، ص:٢٨١.

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ کے گورنر مقرر کیے گئے تو ولید بن عبدالملک نے انہیں ایک خط لکھا:[1]

مهما صح عندك من المواضع التي صلى فيها النبي صلى الله عليه وسلم فابن عليه مسجدا.	جن جن مقامات کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی، ان تمام مقامات پر مساجد بنوادیں.

اس حکم کی تعمیل کی گئی اور جن جن مقامات کے متعلق یقین ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان مقامات پر مساجد بنوادیں.

تابعین اور اسلاف رحمہم اللہ کا دور تھا اس پورے طبقۂ تابعین سے کوئی ایک آواز بھی حکومت کے اس فعل کے خلاف نہیں اٹھی. کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں کہا کہ آثار نبوی علی صاحبھا الف الف التحیۃ والثنا کی حفاظت بدعت ہے. حجاج بن یوسف اور قرۃ بن شریک کی تعریف میں ایک جملہ برداشت نہیں ہوا کیونکہ وہ تعریف ناجائز تھی اور ان آثار نبوی کی حفاظت ناجائز ہوتی تو اب بھی وہ اس حکم کو ماننے سے انکار کردیتے وہ جانتے تھے کہ خلافت کا یہ حکم درست ہے اس لیے بہت آسانی سے اس حکم کی تعمیل کرتے چلے گئے.

اہل علم کی خیر و برکت اسی میں ہے کہ وہ اپنے اسلاف کا اتباع کرتے رہیں اور علمی اختلافات میں بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بدعت کا فتوی یہ بہت بڑی جسارت اور یہ بہت بڑا تسامح تھا جو حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سرزد ہوا. فتجاوز الله عن زلته وارزقه شفاعة نبيه صلى الله عليه وسلم و سامحه الله وايانا بلطفه وبمنه.

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

[1] الدرة الثمينة لا بن النجار، الباب الثالث عشر فى ذكر المساجد التى بالمدينة ، ص:١٢٨.

حدیثِ وفا

اربابِ ذوق کی خدمت میں "حدیث وفا" کے عنوان سے عشق و محبت کا ایک گراں قدر ہدیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے رنگ میں ڈوب کر یہ سطور سپردِ قرطاس کی گئی ہیں۔ مردِ خدا کے لئے متاعِ کونین سے عزیز تر اور اس کا حاصل حیات وہ ناطہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پیوست ہے۔

"حدیث وفا" اسی ناطے کو سرسبز و شاداب رکھنے کا سامان اور اسی عہدِ وفا کی تذکیر ہے جو صبحِ ازل میں منعقد ہوا تھا اس کتاب کا محور یہی ہے اور تمام روایات اسی مرکز کے گرد مصروفِ طواف ہیں۔

"حدیث وفا" ان دیوانگانِ عشق کے تذکرے سے بھی معمور ہے جن کی عقل کی منزل اور عشق کا حاصل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود تھا۔ وہ جس ذات کو دیکھ کر جیتے تھے اسی کے پیغام کو پھیلانے میں مر مٹے۔ ان پیکرانِ وفا کا ذکرِ خیر ان سے مربوط ہونے کی دلیل اور ان کے حالات اس خبر کے پیغام رساں کہ۔

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک

عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث اربعہ کو امہات میں شمار کیا ہے "حدیث جبریل" ان میں سے ایک ہے۔

حدیث جبریل میں کامل دین کو تین شعبوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

(۱) ایمان (۲) اسلام (۳) احسان

"حدیث وفا" کا قاری ذرا تعمق نظر سے جائزہ لے تو ان تینوں شعبوں کی روح جو عمل پر آمادہ اور مہمیز شوق لگاتی ہے، وہ "عشق و محبت" ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

"حدیث وفا" اسی عشق کی بادِ بہاری کا نام ہے۔ ہر حکایت اور ہر روایت اس اصل حیات کو فروغ دیتی ہے۔ مصنف نے روشنائی کی بجائے مے عشق سے یہ ارمغان مرتب کیا ہے۔ کیا عجب کہ کسی دل کے نہاں خانے میں پھر سے یہ حدیث وفا حدیث عشق کی بھٹی سلگا دے۔

ڈیکلریشن نمبر: 28/Press,Dec

AL NADWA

MONTHLY

Rabi-ul-Awwal 1431/ March 2010
Volume-1
Issue- 3

Printed and published at Instant Print System (Pvt) Ltd.
G-10/4, Islamabad by Muhammad Rashid
on behalf of
AL-NADWA EDUCATIONAL TRUST
CHATTER PARK ISLAMABAD
PAKISTAN 46001